© rasailojaraid.com

مولانا ارشاد الحق ادارہ علوم اثریہ
(فیصل آباد)

علامہ محمدؐ حیات سندھیؒ

سرزمین سندھ کو برصغیر پاک وہند کا باب الاسلام ہونے کا فخر حاصل ہے۔ محمدؒ بن قاسم کے فیصلہ کن حملہ سے لے کر آج تک ہر دور میں یہ خطہ علماء فضلاء کی آماجگاہ بنا رہا اور ان میں بعض حضرات ایسے بھی ہیں جنہیں آفاقی شہرت نصیب ہوئی۔ انہی میں سے ایک حضرت شیخ محمد حیات سندھی ثم المدنی رحمہ اللہ ہیں جنہیں کوئی مورخ نظر انداز نہیں کرسکتا۔ بلکہ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ان کے تذکرہ کے بغیر "سندھ میں علم حدیث" کی تاریخ نامکمل رہے گی۔

نام ونسب

اسم گرامی محمد حیات ہے والد مکرم کے نام میں تذکرہ نویسوں نے اختلاف کیا ہے۔ مولانا سید عبدالحیؒ اور علامہ المرادیؒ نے "ابراہیم" لکھا ہے[1]۔ مگر مولانا غلام علی آزاد بلگرامیؒ کے استفسار پر آپ نے اپنے والد کا نام "فلاریہ" بتلایا[2]۔ حضرت النواب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے[3]۔ ممکن ہے کہ اصل نام یہی ہو اور ابراہیم بعد میں رکھ لیا گیا ہو۔ آپ سندھ کے "چاچڑ" نامی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

مولد ومسکن اور ابتدائی حالات

تمام تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ سندھ کے علاقہ بکر[5] کے اطراف میں عادل پور نامی ایک گاؤں میں آپ پیدا ہوئے۔ بعض نے بکر کو بھکر بھی لکھا ہے۔ معروف سیاح محمد ابن بطوطہ جب ۷۳۴ھ[3] میں سندھ کی سیاحت کے لیے آئے تو وہ یہاں بکر بھی پہنچے اور قاضی ابوحنیفہؒ، شیخ شمس الدینؒ محمد شیرازی، اور شیخ صدر الدینؒ حنفی سے ملاقات کی[4]، ان دنوں سندھ میں ضلع سکھر تعلقہ گھوٹکی سے تقریباً سات آٹھ میل دور جنوب کی طرف عادل پور نام کا ایک چھوٹا سا قدیمی قصبہ ہے اور غالباً اسی "عادل پور" کو آپ کے مولد ہونے کا

---

[1] نزہۃ الخواطر ص ۱۰۳ ج ۶، سلک الدرر ص ۳۴ ج ۴، [2] مآثر الکرام ص ۱۴۴، [3] ابجد العلوم ص ۸۹۴، اتحاف النبلاء ص ۳۰۴، تقصار جیود الاحرار ص ۲۲۴۔ [4] رحلۃ ابن بطوطہ ص ۸ ج ۲ مولانا سید عبدالحی نے ان اکابر کا ذکر نزہۃ الخواطر میں ابن بطوطہ کے حوالہ ہی سے نقل کیا ہے ملاحظہ ہوں علی الترتیب ص ۷۷، ۱۴۹، ۶۳، ج ۲۔ [5] "بکر" کو موجودہ ضلع میانوالی کی تحصیل "بھکر" سمجھنا قطعاً غلط اور تاریخی شواہد کے منافی ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شرف حاصل ہے۔ اس میں آج بھی درسگاہ کے آثار پائے جاتے ہیں اور اس کے گردونواح میں علامہ سندھیؒ کی قوم جاچڑ کی بستیاں آج بھی موجود ہیں۔ واللہ اعلم۔

سن پیدائش میں تذکرہ نگار خاموش ہیں بلکہ آپ کے ابتدائی حالات بھی پردۂ خفا میں ہیں۔ کسے معلوم تھا کہ سندھ کے دیہات کا یہ نوجوان کسی دن علم کا درخشاں ستارہ ہوگا۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ سن شعور کو پہنچتے ہی علم کے حصول کے لیے سندھ کے مردم خیز اور تاریخی شہر ٹھٹھہ میں چلے گئے اور علامہ محمد معین م سنہ ۱۱۶۱ھ (تلمیذ شاہ ولی اللہ و مصنف دراسات اللبیب) سے شرف تلمذ حاصل کیا[۱]۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تذکرہ نویسوں نے یہاں صرف علامہ محمد معین کا نام ہی لیا ہے۔ حالانکہ ٹھٹھہ اس دور میں علم وفضل کا گہوارہ تھا۔ لہٰذا یہ کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ علم کا شیدائی وہاں پہنچے اور صرف ایک استاد سے ملاقات پر اکتفاء کرے۔ اس کے بعد انہوں نے حجاز مقدس کا رخ کیا۔ سب سے پہلے حج کیا۔ پھر مدینہ طیبہ پہنچ کر شیخ عبداللہ بن سالم بصری مکی م سنہ ۱۱۳۴ھ، شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم م سنہ ۱۱۴۵ھ شیخ حسن بن علی العجیمی وغیرہ سے استفادہ کیا مگر حدیث پاک کا زیادہ تر درس اپنے ہی ہم وطن اور وقت کے معروف شیخ علامہ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی ثم المدنی م سنہ ۱۱۳۹ھ سے لیا[۲] اور انہی کے فیض صحبت سے علم حدیث میں تبحر حاصل کیا۔

مدینہ طیبہ کا توطن اور استاد کی جانشینی

تحصیل علم کے بعد مدینہ طیبہ ہی کو اپنا مسکن بنایا اور اپنے شیخ ابوالحسنؒ سندھی کے بعد مسند تدریس کو رونق بخشی اور پورے ۲۴ سال توکلاً علی اللہ حدیث پاک کا درس دیتے رہے۔ اور بقیہ زندگی اسی مبارک علم کی خدمت میں صرف کر دی۔ اور یوں شیخ کی جانشینی کا حق ادا کیا۔ سید عبدالحی لکھتے ہیں۔

"ولازم الشیخ الکبیر ابا الحسن محمد بن عبد الہادی السندی المدنی واخذ عنہ وجلس بعد وفاتہ اربعاً وعشرین سنۃ[۳]"

گویا مدینۃ الرسول میں عمر عزیز کا باقی حصہ حدیث رسول پڑھانے میں صرف کیا۔ "علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ" کے عنوان سے ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب نے انگریزی میں ایک مقالہ لکھا جس کا ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے اردو ترجمہ شائع کیا ہے اور مترجم جناب شاہد حسین صاحب رزاقی ہیں۔ ڈاکٹر موصوف علامہ سندھی

---

[۱] نزہۃ الخواطر ص ۳۰۱ ج ۶ وغیرہ [۲] نزہۃ الخواطر۔ اتحاف وغیرہ
[۳] نزہۃ الخواطر ص ۳۰۱ ج ۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ترجمہ میں لکھتے ہیں :-

"محمد حیات اپنے والد ابوالحسن سندھی کی وفات کے بعد دارالشفاء کے صدر معلم ہوئے"

اصل مقالہ تک تو ہماری رسائی نہیں ہوسکی نامعلوم علامہ ابوالحسنؒ سندھی کو علامہ محمد حیاتؒ سندھی کا والد قرار دینا ڈاکٹر صاحب موصوف کی غلطی ہے یا مترجم کی اس کے علاوہ بھی ترجمہ شدہ کتاب میں کافی اغلاط ہیں جو ادارہ ثقافت کی ثقاہت کے منافی ہیں۔

جلالتِ شان

اہل علم نے بالاتفاق علامہ سندھیؒ کے علم وفضل، ورع وتقویٰ کا اعتراف کیا ہے اور ان کی تصانیف کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ شاگرد سے بڑھ کر استاد کی خوبیوں یا کمزوریوں سے کون واقف ہوسکتا ہے۔ ان کے تلامذہ نے اپنے لائق استاد کے متعلق حسن عقیدت کا اظہار کیا، وہ آج بھی ان کی تصانیف میں دیکھا جاسکتا ہے۔ علامہ محمد فاخر زائر الہ آبادی م ۱۱۶۴ھ کی عقیدت کیسی ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں:

(۱) باد بر روئے صفہ دوراں — محفل آرائے حلقہ انسان
(۲) شیخ الاسلام عصر علامہ — در فنون حدیث فہامہ!
(۳) مو شگاف دقائق ایماں — راز دان حقائق ایماں
(۴) رستہ از حبس ربقہ تقلید! — بستہ بر اجتہاد رائے مزید
(۵) درس فرمائے مسجد نبوی — بطریق رشیق مصطفوی!!
(۶) آں محمد حیات بخت بلند — بحدیث نبی قوی پیوند!
(۷) متع اللہ زمرۃ الاعیان — بافاداتہ علی الازمان
(۸) سر من خاکپائے او بادا! — جان من در رضای او بادا!!!![1]

ان کے ایک دوسرے مشہور شاگرد اور معروف مورخ مولانا آزادؒ بلگرامی فرماتے ہیں:

"از علماء ربانیین وعظماء محدثین است"[2]

حضرت نواب صدیق حسن خانؒ قنوجی فرماتے ہیں:

"شیخ محمد حیات سندی محدث مجتہد مدنیؒ از علماء ربانیین وعظماء محدثین است"[3]

---

[1] اتحاف ص ۴۰۴ [2] مآثر الکرام ص ۴۴۱ سبحۃ المرجان ص ۹۶ [3] تقصار ص ۲۲۴،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا سید عبدالحئی رحمہ لکھتے ہیں:

الشیخ الامام العالم الکبیر المحدث محمد حیات بن ابراھیم السندی المدنی احد العلماء المشھورین[1]

جناب شیخ محمد اکرام صاحب اپنے "سلسلہ کوثر" میں لکھتے ہیں:

"آپ کا شمار اپنے زمانہ کے نامور محدثوں میں ہوتا ہے آپ مسجد نبوی میں صبح کی نماز کے بعد درس قرآن و حدیث دیتے اور ایک جم غفیر آپ کے ارشادات سننے کے لیے حاضر ہوتا"[2]

مسلک

بعض حضرات نے علامہ سندھی کو حنفی مسلک کے اعیان واکابر میں شمار کیا ہے[3] مگر یہ صحیح نہیں۔ حضرت مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف مدظلہ العالی کا یہ فرمان بجا طور پر صحیح معلوم ہوتا ہے کہ:

"اس دور کے عام حالات کے مطابق ابتداءً گو حنفی طریقہ پر گامزن ہوں گے لیکن محقق علماء حدیث وفقہ کے فیض تربیت اور علوم حدیث میں براہ راست ممارست کی وجہ سے بالآخر تحقیق کی راہ پسند کرلی اور تقلید سے دست بردار ہو گئے۔ جیسا کہ آپ کی تالیفات سے اندازہ ہوتا ہے"[4]

علامہ سندھی کے دور کا جائزہ لیں اور ان کے افکار کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ اس کی تائید کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ معروف معنوں میں قطعاً "حنفی" نہیں تھے۔ چنانچہ موصوف نے اپنے ایک رسالہ میں مقلدین کے انداز فکر کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"انتہائی تعجب کی بات یہ ہے کہ جب حضرات مقلدین کو کسی صحابی کا قول صحیح حدیث کے معارض نظر آتا ہے اور اگر اس کا کوئی محل نہیں پاتے تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث انہیں نہیں پہنچی اور جب کوئی حدیث ان کے امام کے قول کے مخالف نظر آتی ہے تو اس کی تاویل کرتے ہیں اور محامل بعیدہ پر محمول کرنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات تو تاویل کی بجائے تحریف سے کام لیتے ہیں لیکن اگر انہیں کہا جائے کہ شاید تمہارے امام کو یہ حدیث نہیں پہنچی تو کہنے والے پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے اور اس پر انتہائی طعن و تشنیع کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور بدکردار لوگوں میں اس کا شمار ہونے لگتا ہے۔"

فرماتے ہیں:

[1] نزہۃ ص ۱۰۳ ج ۶، [2] رود کوثر ص ۵۹۶ [3] مقدمہ نصب الرایہ ص ۴۹ [4] تحفۃ الانام مترجم ص ۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"عقل مند کے لیے سوچنے کا مقام ہے کہ یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء صحابہ کرام کے متعلق تو جائز سمجھتے ہیں کہ انہیں حدیث نہیں پہنچی مگر آئمہ مذاہب "کے متعلق یہ قول سننا اور کہنا پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ دونوں کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ حضرات کتب حدیث کا مطالعہ اور اس کی تعلیم و تدریس اس لیے نہیں کرتے کہ اس پر عمل کریں بلکہ ان کا مقصد وحید یہ ہوتا ہے کہ اپنے امام کے دلائل کا پتہ لگائیں۔ جو حدیث ان کے قول کے مخالف ہو اس کی تاویل کریں اور جہاں تاویل نہیں ہو سکتی وہاں کہہ دیتے ہیں ہمارے امام ہم سے زیادہ عالم تھے۔ کیا وہ اس بات سے ناواقف ہیں کہ وہ ایسا کرتے ہوئے اللہ کی حجت اپنے پر قائم کرتے ہیں۔ عالم اور جاہل کا معاملہ برابر نہیں۔ جب حدیث ان کے امام کے موافق ہو تو خوش ہوتے ہیں اور جب مخالف ہو یا غیر کے مذہب کے موافق ہو تو ان کے دل سکڑ جاتے ہیں کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا" فلا وربك لا يؤمنون حتىٰ يحكموك فيما شجر بينهم" الآیۃ[1]

اندازہ فرمایئے کہ علامہ سندھی نے کس دل سوزی سے اپنے زمانہ کے مقلدین کے خیالات و حالات بیان کرتے ہوئے ان کے کردار پر ماتم کیا ہے۔ پورا رسالہ اسی قسم کے جذبات کا ترجمان ہے اس وضاحت کے بعد بھی انہیں معروف معنیٰ میں "حنفی" باور کرانا ان کے افکار سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ کہنا چاہیئے کہ وہ صحیح معنوں میں سنت صحیحہ کے متبع تھے اور اس کے مقابلہ میں کسی کا اختلاف یا خلاف خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ جن دنوں آپ مدینہ "الرسولؐ میں قال اللہ و قال الرسول کا درس دیتے تھے ان دنوں مدینہ کے دیگر شیوخ کسی نہ کسی امام کی طرف منسوب تھے مگر آپ واحد شخص تھے جنہوں نے اپنے "تلامذہ میں اتباع رسولؐ کا جذبہ پیدا کیا اور براہ راست ان کا رشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑا اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس دور میں یا اسی کے بعد قریب زمانہ میں مختلف ممالک میں ترک تقلید اور عمل بالسنہ کی جس قدر اصلاحی تحریکیں چلیں ان میں علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ کا کافی حصہ ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی ۱۱۴۳ھ کو حجاز مقدس تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ دو سال قیام فرمایا اس وقت علامہ سندھی مسند تدریس پر رونق افروز تھے۔ یہ ناممکن ہے کہ آپ علامہ سندھیؒ کے درس سے ناواقف رہے ہوں۔ شاہ صاحب کے علاوہ وہاں دیگر شیوخ عموماً شافعی المسلک تھے۔ غالب گمان یہی ہے کہ ان کے عقیدہ میں بھی جو تبدیلی آئی وہ علامہ سندھی ہی کے اثر کا نتیجہ ہے گو انہوں نے یہ بات کہیں ظاہر نہیں کی مگر علامہ سندھی کی تصانیف کا عکس شاہ صاحب

---

[1] تحفۃ الانام ص ۲۵ - ۲۶ علامہ صالح فلانی نے بھی یہ عبارت ایقاظ ہمم اولی الابصار ص ۱۷ میں ذکر کی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بعض تصانیف میں دیکھا جاسکتا ہے۔

ان کے تلمیذِ رشید علامہ الٰہ آبادی کا یہ قول تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ "رستہ از حبس ربقۂ تقلید" حضرت نواب صدیق حسن خاں مرحوم کی آراء بھی ملاحظہ فرمالیجیے، لکھتے ہیں:

"تمام عمر در خدمت علم حدیث شریف صرف ساخت و تبحری عظیم دریں فن اشرف اندوخت و بمرتبہ اجتہاد برآمدہ و قلادہ تقلید از گلو فرد افگند"[1]

یعنی تمام عمر حدیث شریف کے علم کی خدمت میں صرف کردی اس پاکیزہ فن میں عظیم تبحر حاصل کیا اور قلادہ تقلید پھینک کر درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ نیز لکھتے ہیں:

"شیخ محمد حیات رتبہ اجتہاد یافتہ داشت تقلید ہیچکے نمے کرد"[2]

اس کے علاوہ شیخ عقیدۃً خالص سلفی اور شرک و بدعت سے متنفر تھے۔ شیخ الاسلام محمدؒ بن عبدالوہاب ان دنوں آپ کے یہاں تعلیم کے لیے ٹھیرے ہوئے تھے انہی دنوں کی بات ہے کہ وہ حجرہ نبویؐ کے پاس کھڑے تھے اور سامنے ایک جماعت حجرہ مبارک پر دعا و استغاثہ اور دیگر بدعات کا ارتکاب کر رہی تھی۔ اتنے میں حضرت علامہ سندھی تشریف لے آئے۔ شیخ الاسلام نے ان کا استقبال کیا اور جھٹ سے پوچھا۔ "ان لوگوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے"۔ تو انہوں نے برجستہ یہ آیت تلاوت فرمائی:

"اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ"

یعنی "ان کا یہ عمل اکارت جائے گا جو بالآخر ان کی تباہی کا باعث بنے گا"[3]

عقیدہ میں شدت ہی کا نتیجہ تھا کہ اپنے شاگرد رشید مولانا آزاد بلگرامی کے نام پر بھی معترض ہوئے۔ مولانا آزاد نے استاد محترم کے خط اور اس کے جواب کو "مآثر الکرام اور سبحۃ المرجان" میں نقل کیا ہے۔ استاد و شاگرد کی یہ علمی گفتگو مولانا بلگرامی کے الفاظ ہی میں پڑھنے کے قابل ہے لکھتے ہیں:

"شیخ قدس مکتوبی نامزد فقیر نمود و اسم فقیر غلام علی سے اضافت غلام تحریر فرمود از جہت آنکہ در حدیث شریف آمدہ کہ ہمہ کس عباد اللہ اند، اطلاق عبودیت نسبت بہ مخلوق نباید کرد۔ فقیر در جواب نامہ نوشت بایں مضمون کہ مسلم در روایت میکند "عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یقولن احدکم عبدی وامتی کلکم عباد اللہ وکل نساءکم اماء اللہ ولکن یقل غلامی وجاریتی وفتای وفتاتی"

[1] اتحاف ص ۲۲۴ [2] اتحاف ص ۴۴ [3] عنوان المجد ص ۷۔

© rasailojaraid:com

© rasailojaraid.com

و بخاری در روایت میکند "لا یقل احدکم عبدی و امتی و لیقل فتای فتاتی و غلامی" نیز قلمی ساختم که اگر واضع اسم غلام را بہ معنیٰ عبد ارادہ کردہ شند و دیگرے معنیٰ فرزند ارادہ کردہ تلفظ نماید اور را می رسد کہ "لسکل امرئٍ مانویٰ" شیخ قدس سرہ بعد وصولِ خط داد انصاف داد و بعد ازیں اسم فقیر غلام علی تحریر فرمودہ[1]

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ محترم نے ایک خط میں میرا نام غلام علی کے بجائے صرف غلام تحریر فرمایا اور لکھا کہ حدیث شریف میں ہے کہ تم تمام اللہ کے بندے ہو لہٰذا عبدیت کی نسبت مخلوق کی طرف نہیں ہونی چاہیئے جس کے جواب میں فقیر نے لکھا کہ مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کو "عبدی" اور "امتی" نہ کہو بلکہ "غلامی و جاریتی" کہو نیز میں نے لکھا کہ اگر نام رکھنے والے نے "غلام" کے معنیٰ "عبد" لیے تو یہ ممنوع ہے اور اگر کسی نے اس کے معنیٰ "فرزند" لیے تو یہ حکم اس پر عاید نہیں ہوتا۔ شیخ محترم نے خط ملنے پر میری تحسین فرمائی اور اس کے بعد ہمیشہ میرا نام غلام علی لکھتے رہے۔

اندازہ فرمایئے کہ شرک کے شبہات سے علامہ سندھیؒ کس قدر متنفر تھے جس سے ایک طرف ان کے عقیدہ میں شدت کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف ان کے اخلاص اور سنت سے محبت کا بھی علم ہوتا ہے۔

تلامذہ

آپ کے علم و فضل کا غلغلہ پہونچا اسی کا نتیجہ تھا کہ سرزمین حجاز کے علاوہ مصر شام اور ہند وغیرہ ممالک سے تشنگان علم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حسبِ استطاعت کسبِ فیض کر کے اپنے مراکز میں بیٹھ کر انہی کے مشن کو پھیلانے کی کوشش کرتے۔ علامہ سندھیؒ سے جن بزرگوں نے فیض حاصل کیا ان کے طبائع میں عجیب تنوع پایا جاتا ہے۔ اگر ایک طرف حسان الہند مولانا غلام علی آزاد بلگرامی م ۱۲۰۰ھ جیسے عظیم مورخ محقق ادیب اور شاعر ہیں تو دوسری طرف شیخ محمد صادق سندھی م ۱۱۸۷ھ (صاحب بہجۃ النظر شرح شرح نخبۃ الفکر) شیخ محمد فاخر الہ آبادی م ۱۱۶۴ھ (صاحب در ۃ التحقیق فی نصرۃ الصدیق، قرۃ العینین در اثبات سنت رفع الیدین الرسالۃ النجاتیہ وغیرہ) مولانا شیخ فقیر اللہ شکارپوری صاحب وثیقۃ الاکابر جیسے نامور محدث مصنف اور عارف باللہ اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب جیسے عظیم مجاہد مبلغ و مصلح ہیں۔ مولانا عبدالجلیل سامرودی مرحوم نے علامہ امیر یمانی کو بھی علامہ سندھیؒ کے تلامذہ میں ذکر کیا ہے جس کی تائید ان کی تصانیف سے ہوتی ہے، البتہ ان کا علامہ صالح فلانی کو بھی شاگرد کہنا محل نظر ہے جبکہ علامہ موصوف علامہ سندھی کا کلام نقل کرتے ہوئے "قال شیخ مشائخنا" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں[5] ان کے علاوہ

---

[1] مآثر الکرام ص ۱۴۵-۱۴۸۔ سبحۃ المرجان میں قدرے تفصیل ہے اور یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ شیخ سے واپسی پر جب مکہ مکرمہ پہنچا تو وہاں یہ خط موصول ہوا[2] حال ہی میں مولانا سید سعید اللہ صاحب استاد شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی کے قلم سے شیخ موصوف اور ان کی کتاب "وثیقۃ الاکابر" کا تعارف ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک جنوری ۱۹۷۸ء کے شمارہ میں شائع ہوا ہے[3] ایقاظ ص ۱۵

© rasailojaraid.com